دِل کا ٹکڑا

سعدیہ عابد

دِل کا ٹکڑا

"آپ کب آئے؟" وہ اپنی ہی سوچوں میں مستغرق تھی کہ زوردار دھماکے کی آواز پر وہ خوفزدہ سے انداز میں چونکی تھی اور الماری کا دروازہ کھینچ کر بند کرنے کے بعد واش روم میں کی طرف بڑھتے فرضام آفندی کو دیکھ وہ پہلی فرصت میں بیڈ سے اتری تھی اور اس تک لپک کر پہنچی مگر وہ اس کے سوال کے جواب میں ایک قہر بھری نگاہ اس پر ڈالتا واش روم میں گھس گیا تھا دروازہ اتنی زور سے بند کیا تھا کہ وہ پورے وجود سے لرز اٹھی تھی، اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی تھی، کہ اس

نے گھر میں گھستے ہی اپنے مزاج کا پتہ دے دیا" اور وہ تو اس کے اس آتشی روپ سے خوف کھ کرتی تھی، کچھ دیر بعد آکر وہ بیڈ پر لیٹ گیا۔

"فرضام! کھانا کھالیں۔" اس نے ڈر ڈرتے اسے پکارا تھا مگر اس کی پوزیشن ہنوز رہی تھی اور وہ لب کچلنے لگی تھی کہ اس نے اسے ا کوئی حق دیا ہی نہ تھا کہ وہ پیار سے اس پر جھک کر اسے اٹھا دیتی، یا یوں بے وقت منہ بنا کر رہ جانے کا سبب دریافت کر لیتی، اپنی بے بسی پر آنکھوں میں آنسو لئے انگلیاں چٹخنے لگی تھی

ناولٹ

فرضام نے لیٹے لیٹے ہی ہاتھ بڑھا کر سیل فون ہاتھوں کی گرفت میں لیا اور ذرا سا اونچا ہو کر کمرے میں روشنی بکھیرتے انرجی سیور پر دے مارا، چھناکے کی آواز سے ساتھ ہی کمرہ تاریکی میں ڈوبا تھا اور وہ دہل کر اپنی بے ساختہ چیخ پر کنٹرول نہ کر سکی تھی جبکہ اس نے تکیہ اپنے منہ پر رکھ لیا تھا، وہ تقریباً دوڑتے ہوئے بیڈ روم سے لاؤنج تک آئی اور زمین پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھی اور روتی چلی گئی اس جانی انجانی جگہ اسے اپنے اکیلے پن کا احساس شدت سے ہو رہا تھا، وہ سسکتے ہوئے اٹھی تھی اور اسے ریسیور اٹھا کر ایک لائن نمبر ڈائل کر دیا تھا، تیسری بیل پر

کال ریسیو کرلی گئی تھی۔

"ہیلو، میثم آفریدی اسپیکنگ۔" کانوں میں دادا کا وہی بے لچک و دبنگ لہجہ گونجا تھا جس سے وہ تاعمر خائف رہی تھی اور آج ان حالوں کو پہنچی ہوئی تھی اس نے بے اختیار سسکی لی تھی، وہ چونک اٹھے تھے۔

"دادا ابو، میں منی!" ریسیور ان کے ہاتھ میں لرز اٹھا تھا کہ جس کو انہوں نے بہت چاہا تھا ہمیشہ اپنی نگاہ کے سامنے رکھا تھا وہ ان سے ایک ماہ سے دور تھی اور ایک ماہ بعد اس کی آواز سنی تھی تو اس میں اذیت کی رمق پاکر وہ تڑپ اٹھے تھے۔

"میں بہت اکیلی ہوگئی ہوں دادا ابو، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے پلیز میرے پاس آجائیے، آپ کی منی کو آپ کی ضرورت ہے۔" وہ ہچکیوں کے درمیان بول رہی تھی ان کا ہر عضو کان بن گیا تھا، ان کی روح تک اس کی تڑپ پر گھائل ہوگئی تھی۔

"دادا ابو، پلیز مجھے معاف کردیں اور آکر مجھے لے جائیں ورنہ آپ کی منی کی یہ ظالم سنگدل شخص جان لے لے گا، مجھے آکر مرنے سے بچا لیں۔" وہ خاموش تھے اور وہ خاموش نہیں ہورہی تھی، اپنا درد، اپنی اذیت اور بے بسی کہہ رہی تھی اور دوسری طرف وہ باقاعدہ کانپنے لگے تھے، رات گئے گھر میں داخل ہوتا خریم صلاالدین لائٹس آن دیکھ کر ہی حیران تھا کہ ان کو دیکھ حیرت بڑھی تھی اور ان کو ریسور کان سے لگائے باقاعدہ کانپتے دیکھ وہ لمحہ کے ہزارویں حصہ میں ان تک پہنچا۔

"دادا ابو!" فکر سے پکار تھا مگر انہوں نے اس کی فکر کب محسوس کی کہ وہ تو دل و جان سے فون سے آتی اس لخت جگر کی آواز و تڑپ میں کھوئے ہوئے تھے جسے کھوئے فقط ایک ماہ ہوا تھا، خریم نے ان کے ہاتھ سے ریسیور لے کر کان سے لگایا اور گویا وہ بھی پتھر کا ہوگیا تھا ایک فیصد بھی امکان ہوتا کہ فون کے اس پار وہ دشمن جاں ہوگی تو وہ مر جاتا مگر ریسیور کان سے نہ لگاتا کہ اب بات اس کے اختیار سے باہر کی تھی کہ اس کی ہچکیوں کے درمیان کانپتی سی آواز سن کر وہ فون رکھ نہیں سکتا تھا۔

"دادا ابو پلیز معاف کردیں اپنی منی کو، میں بہت تکلیف میں ہوں، آپ کی، آپ کے سہارے کی ضرورت ہے مجھے، یہ تنہائی، اکیلا پن، یہ خوف آپ کی منی کو اندر ہی اندر مار رہا ہے، آکر اپنی منی کو مرنے سے بچالیں۔" یہ کیسے ممکن تھا کہ منی محی الدین رو رہی ہو اور خریم صلاح الدین کی آنکھوں میں سمندر نہ اترے، وہ گہری اذیت سے دوچار ہوگیا تھا اور اس نے نم ہوتی پلکوں سے لرزتے لہجے میں اسے پکارا تھا۔

"منی!" اس کی سسکیاں یکبارگی تھم گئی تھیں، اس نے گرنے سے بچنے کو دیوار کا سہا لے لیا تھا اس پر کیا وقت آیا تھا کہ رو رہی تھی آنسو صاف کرنے والا کوئی نہ تھا، لڑکھڑائی تو کسی نے تھاما نہیں ورنہ یہی تو وہ منی تھی ناں، کہ جس کے آنسو مقدس صحیفے کی مانند زمین پر گرنے نہیں دیئے جاتے تھے، جہاں وہ پاؤں دھرتی تھی کو پلکیں بچھا دیتا تھا اور وہ تو جیسے ہر لحاظ سے غر۔ ہوگئی تھی، کچھ بھی نہیں بچا تھا اس کے پاس۔

"منی میں ہوں خریم، پلیز بتاؤ کیا ہوا ہے کیوں رو رہی ہو؟ فرضام کہاں ہے؟ کیا کہا ہے ا نے، پلیز کچھ کہو؟" وہ بے قراری سے کتنے سوال غ گیا تھا اور وہ اب کے خود پر قابو نہ ر سکی تھ یوں روئی تھی کہ اس کا کلیجہ منہ کو آنے تھا، ا کے قدم لڑکھڑا گئے تھے اور اس نڈھال و شکستہ سے کھڑے دادا کا بازو تھام لیا

کہ جو کل تک سہارے دیا کرتا تھا آج اسے سہارے کی ضرورت تھی، وقت نے، نصیب نے محبت کے ہرجائی پن نے اسے کتنا مفلس کردیا تھا کہ وہ بانٹنے والوں کی صف سے نکل کر مانگنے والوں کی صف میں شامل ہوگیا تھا۔

"منی! خدا کا واسطہ تمہیں اس طرح نہ رو ورنہ میرا دل بند ہوجائے گا۔" اس نے روتے ہوئے گویا التجا کی تھی۔

"خریم!" اس کے لبوں سے اس کا نام سسکی بن کر نکلا تھا کہ کسی نے اس کے ہاتھ سے ریسیور بے دردی سے جھپٹ لیا تھا اور وہ فرضام آفندی کو خونخوار نگاہوں سے خود کو دیکھتا پاکر خوف سے پیلی پڑتی سوکھے پتے کی طرح لرزنے لگی تھی کہ فرضام کے بھاری مردانہ ہاتھ کا تھپڑ اس کے چودہ طبق روشن کرگیا تھا وہ دو فٹ دور جا گری تھی۔

"بے حیا، بے غیرت عورت، مجھ سے نظر بچا کر اپنے یار سے بات کررہی تھی۔" پڑھا لکھا، ویل ایجوکیٹڈ اور ذمہ دار عہدے پر فائز فرضام احمد اجڈ لوگوں سے بڑھ کر خود کو اجڈ ثابت کرتا اس کے بالوں کو ہاتھوں میں جکڑے مغلظات بک رہا تھا، جسے سن کر خریم کا گرم لہو وجود میں جوش کھانے لگا تھا اور اس کی چیخیں اور سسکیاں اس کا وجود سرد کرتی چلی گئی تھیں، فرضام اسے بے دردی سے مار رہا تھا جسے پھولوں کی چھڑی سے چھوا نہیں گیا تھا اور وہ پٹتے ہوئے دادا ابو کو پکارنے کے ساتھ اس کو بھی پکار اٹھی تھی اس کی پکار نے فرضام کے غصہ کو کئی گنا بڑھا دیا تھا، اس کے مارنے میں جنون کی سی ہیجانی کیفیت شامل ہوگئی تھی، اس کے لبوں پر سسکیاں دم توڑ رہی تھیں ا ر دوسری طرف وہ بری طرح سسکتے ہوئے ریش ڈرائیونگ کرتا ان راستوں پر سفر کر رہا تھا جہاں لوٹ کر نہ آنے کی اس نے قسم کھائی تھی، مگر فون کے اس پار سسکتی، بلکتی لڑکی کے لیے تو وہ جان دے سکتا تھا ایک قسم اور عہد کی قربانی کی کیا اوقات تھی مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ جب وہ اپنے سارے عہد توڑ کر جس پل وہاں پہنچے گا وہ وہاں نہ ہوگی کمرے کے دروازے پر لگا قفل اس پر منکشف کردے گا کہ اس کی قسمت کا چکر ختم نہیں ہوا، یہ تو محض ابتداء تھی۔

☆☆☆

"منی! یہاں کیوں بیٹھی ہو؟ ٹھنڈ لگ جائے گی۔" اسے دسمبر کی ٹھٹھرا دینے والی سردی میں یخ بستہ سیڑھیوں پر کسی شال اور گرم کپڑے کے بنا دیکھ کر وہ الجھن و فکر میں ڈوب کر بولا تھا اس نے نگاہ اٹھائی تھی سرخ آنکھیں، اس کی گریہ و زاری کی گواہ تھیں وہ تڑپ کر اس کے برابر ہی ٹک گیا تھا سردی کا جیسے احساس ہی مٹ گیا تھا۔

"منی! کیوں روئی ہو، دادا ابو نے کچھ کہہ دیا ہے؟" اس کے آنسو بے اختیار سے رخساروں پر لڑھکنے لگے تھے۔

"پلیز کچھ تو کہو؟" اس کے گھٹنے پر رکھے ہاتھ کو تھاما تھا جو بے حد سرد تھا کہ وہ کافی دیر سے یہاں بیٹھی تھی اور ٹھنڈی ہوا نے اسے بھی ٹھنڈا کردیا تھا اور خریم کے ہاتھوں کی گرماہٹ اس کے وجود میں سنسنی سی دوڑا گئی تھی اس نے ہاتھ کھینچا اور کھڑی ہوگئی، خریم کی پکار نظر انداز کرتی لان سے ہوتی لاؤنج میں داخل ہوئی تھی کہ وہ اس کے سامنے آگیا۔

"مسئلہ کیا ہے کچھ بتاتی کیوں نہیں ہو؟" وہ متغیر سا پوچھ گیا تھا۔

"دادا ابو کے نواسے فرضام آفندی، پاکستان آرہے ہیں اور چونکہ میرا کمرہ اس گھر کا سب سے بڑا اور خوبصورت کمرہ ہے اس لئے دادا

ابو نے اپنے نواسے کے رہنے کے لئے دوسرے کمرے میں شفٹ ہو جانے کا حکم دیا ہے۔" وہ روتے ہوئے گہرے طنز سے بولی تھی، جبکہ وہ مزید حیران ہوا تھا کہ فرضام کے وہ صرف نام سے واقف تھا اسے کبھی دیکھا نہیں تھا کہ وہ کبھی پاکستان نہیں آیا تھا دو سال قبل جب اس کے پیرنٹس آئے تھے تب بھی نہیں۔

"اب آپ خود بتاؤ خریم، کہ میں اپنا کمرہ کسی اجنبی کے حوالے کیسے کر سکتی ہوں؟" وہ اپنی ساحرانہ نگاہوں سے اسے سوالیہ انداز میں دیکھ رہی تھی۔

"تم پریشان نہ ہو، میں دادا ابو سے بات کر لوں گا۔" اس نے نرمی سے دلاسہ دیا تھا۔

"آپ کب بات کریں گے، دادا ابو تو سو گئے ہیں اور کمرہ مجھے آج رات ہی خالی کرنا ہے، فرضام کل صبح سات بجے کی فلائیٹ سے آ رہے ہیں۔" اس کی تسلی گویا کسی کام کی نہ تھی۔

"تم جا کر سو جاؤ، میں صبح نماز کے بعد بات کر لوں گا۔" ہنوز نرمی و اطمینان سے بولا تھا۔

"لیکن!" اس نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

"منی! میں نے کہا نہ میں بات کر لوں گا، تم جا کر سو جاؤ۔" نرمی سے کہا تو اس نے آنسو رگڑ ڈالے تھے اور تھینکس کہہ کر آگے بڑھی تھی وہ اس کی پشت پر لہراتی لمبی ناگن سی چوٹی سے نگاہ الجھا بیٹھا تھا کہ وہ پلٹی تھی۔

"اپنی پریشانی میں مجھے آپ کا خیال نہیں رہا، آپ سفر سے آئے ہیں، کھانا لے آؤں آپ کے لئے؟" اس نے گہری سانس کھینچ کر اس پری پیکر کے حسین چہرے پر اپنے لئے پریشانی دیکھی تھی۔

"بھوک نہیں ہے اور چائے خود بنا لوں گا اس لئے تم پریشان نہ ہو۔" وہ نرم سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا اور وہ اثبات میں گردن ہلا کر اسے اس کا وعدہ یاد دلاتی وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

میثم آفریدی کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی نائلہ جو بھائیوں سے بڑی تھی اور اس کی شادی امریکہ میں مقیم پھپھی زاد سے ہوئی تھی اس کا ایک بیٹا تھا فرضام آفندی، نائلہ کی ڈیتھ سال بھر پہلے ہی ہوئی تھی جبکہ میثم آفریدی کے دونوں بیٹے و دونوں بہوئیں آج سے تقریباً بارہ سال پہلے ٹریفک حادثے میں جاں بحق ہو گئے تھے، بڑے بیٹے کی ایک ہی بیٹی منی محی الدین تھی اور چھوٹے بیٹے کا ایک ہی بیٹا خریم صلاح الدین تھا، حادثے کے وقت منی دس سال کی تھی جبکہ خریم چودہ سال کا تھا دونوں بچوں کی پرورش میثم آفریدی نے کی تھی جو کافی سخت مزاج تھے، بیٹے بہوؤں کی اچانک موت نے انہیں مزید سخت کر دیا تھا ان دونوں کو نہیں یاد تھا کہ انہوں نے دادا کو کبھی مسکراتے بھی دیکھا ہو، وہ اصولوں اور بات کے بہت پکے تھے، منی کو ان کا سخت رویہ ہمیشہ ہی برا لگتا تھا کیونکہ وہ چاہتی تھی کہ وہ ان کے ساتھ مل کر ہنسی مذاق کریں، نرمی سے پیش آئیں جبکہ وہ تو خیال بھی ایسے رکھتے تھے جیسے احسان کر رہے ہوں، یہ اس کا اپنا نظریہ و سوچ تھی جبکہ وہ دونوں ہی تو میثم آفریدی کی کل کائنات تھے، جنہیں وہ کھونے سے ڈرتے تھے، وقت و حالات نے انہیں سخت گیر بنا دیا تھا، وگرنہ وہ ان دونوں کے لئے نرم چھاؤں تھے اور یہ خریم سمجھتا تھا اس لئے ان سے متنفر رہنے کی بجائے ان سے اپنی ہر بات کہتا اور منوا لیتا تھا جبکہ وہ ان سے خائف رہتے رہتے بدگمان ہو گئی تھی اور ان سے فاصلے پر بھی، اس نے گریجویشن کے پیپرز دیئے تھے اور

رزلٹ کا انتظار کر رہی تھی خریم کا شمار ملک کے مایہ ناز صحافیوں میں ہوتا تھا اور وہ ایک ہفتہ سے فیچر لکھنے کے لئے معلومات اکٹھی کرنے کے ارادے سے کراچی سے باہر گیا ہوا تھا۔

اس نے اپنی تھکن کی پرواہ کیے بغیر گیسٹ روم کی صفائی کی تھی کیونکہ ان کے ہاں کوئی آتا جاتا نہیں تھا اس لئے گیسٹ روم بند ہی رہتا تھا کہ صفائی کے لئے کل وقتی ملازمہ موجود تھی مگر جب ضرورت ہی نہ تھی تو اسے زحمت نہیں دی جاتی تھی کہ وہ وہاں کی صفائی کرے، اس لئے اب اسے صفائی کرنے میں تقریباً گھنٹہ لگ گیا تھا مگر اس کا اپنا حال بگڑ چکا تھا اور یہ اس کی نفاست پسند طبیعت سے کہاں برداشت ہو سکتا تھا اس لئے اس نے سرد موسم کی پرواہ کیے بغیر شاور لیا اور چائے پی کر کمبل تان کر سو گیا کہ دو تو بج ہی گئے تھے اور اس نے لازماً فجر میں اٹھنا تھا۔

☆☆☆

"صبح بخیر دادا ابو!" وہ ان کے سامنے جھکا تھا انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس کی واپسی کب ہوئی تھی دریافت کیا تھا۔

"رات کو آ گیا تھا، جب آپ سو رہے تھے۔" وہ کہتے ہوئے کچن کی طرف بڑھ گیا تھا کیونکہ صبح کی چائے وہ ہی ان کے اور اپنے لئے بنایا کرتا تھا کہ ملازمہ نو بجے آیا کرتی تھی اور منی نماز پڑھ کر سو جاتی تھی کمرے سے ہی نہیں نکلتی تھی کہ برسوں کی روٹین تھی پہلے وہ چائے بنایا کرتے تھے اب اس نے یہ ذمہ داری خود سے ہی اپنے سر لے لی تھی کیونکہ جب وہ کالج جاتی تھی تو وہ تینوں ساڑھے سات بجے ناشتہ کرتے تھے اور جس دن چھٹی کرتی اس دن نو بجے ان کے ہاں ناشتہ ہوتا تھا کیونکہ ناشتہ اور کھانا پچھلے دو سالوں سے وہ بنا رہی تھی اور میثم آفریدی فجر میں اٹھنے کے عادی تھے، چائے کے ساتھ وہ بسکٹ ضرور لیتے تھے اس لئے انہیں ناشتے کی پرواہ نہ ہوتی تھی جبکہ کھانے کی ٹائمنگ ان کی برسوں پرانی تھی، دوپہر کا کھانا ڈھائی بجے اور رات کا کھانا نو بجے کھا کر دس بجے تک سو جاتے تھے اور اسی معمول کے وہ دونوں بھی بچپن سے عادی تھے۔

"یہ تو بہت اچھا ہوا کیونکہ فرضام پاکستان آ رہا ہے، تم نہ ہوتے تو اسے پک کرنے مجھے جانا پڑتا، اب تم چلے جاؤ گے۔" وہ پرسکون سے بولے تھے۔

"یہ فرضام نے اچانک پاکستان آنے کا پروگرام کیسے بنا لیا؟" اس نے چائے کی ٹرے ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"محمود کو بزنس میں لوس ہوا ہے، جمع جمایا بزنس ختم ہو رہا ہے اسے لئے وہ پاکستان شفٹ ہونے کا سوچ رہا ہے۔" وہ قدرے اداسی سے بولے تھے کہ وہ تو برسوں سے یہی چاہتے تھے مگر محمود آفندی کبھی راضی نہ ہوئے تھے مگر اب حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر جب لوٹنا چاہ رہے تھے تو ان کو کوئی خوشی نہ تھی کہ ان کی بیٹی جو نہیں رہی تھی۔

"مگر فرضام راضی نہیں اسی لئے فرضام چند ماہ کے لئے آ رہا ہے تاکہ شفٹ ہونے نہ ہونے کا فیصلہ کر لے۔" انہوں نے داماد کی بتائی تفصیل سے پوتے کو آگاہ کیا تھا۔

"آپ پریشان نہ ہوں جو ہو گا اچھا ہی ہو گا ہاں میں نے فرضام کے لئے گیسٹ روم صاف کر دیا ہے، اسے یہاں کسی قسم کی پریشانی نہ ہو گی۔" وہ اسے چونک کر دیکھنے لگے تھے۔

"اوہو، تو تم منی کے بلانے پر اپنا کام ادھورا چھوڑ آئے ہو۔" گہرے طنز سے بولتے ہوئے اسے ناگواری سے دیکھ رہے تھے اور اس

نے تحمل سے ساری بات بتادی تھی۔

”منی سے میں رابطہ میں نہیں تھا، رات آیا تب اس نے بتایا اور وہ غلط نہیں ہے دادا ابو، کہ آپ خود سوچیں کہ وہ اپنا کتنا سامان دوسرے کمرے میں شفٹ کرے گی؟“ وہ چائے کے سپ لیتے دادا کو دیکھ رہا تھا۔

”دو سال قبل نائلہ اور محمود پاکستان آئے تھے تو محمود کو گیسٹ روم چھوٹا لگ رہا تھا اس نے ناگواری و ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا اسی لئے منی سے روم خالی کرنے کو کہا کہ فرضام، کو جانتا نہیں ہوں، اسے صرف تصویروں میں دیکھا ہے، اگر باپ کے سے مزاج کا حامل ہوگا تو خواہ مخواہ میں بدمزگی ہوگی۔“ انہوں نے قدرے سنجیدگی سے اصل اسباب بتائے تھے۔

”دادا ابو جو ہوگا دیکھا جائے گا، اس کے لئے منی کو ڈسٹرب کرنے سے کیا فائدہ، کہ کسی بھی وقت یا رات کو اگر اسے کسی چیز کی ضرورت پڑی تو کیا وہ فرضام کو پریشان کرتی رہے گی؟“ خریم نے دھیمے سے استفسار کیا تھا۔

”فضول بحث چھوڑو اور ایئر پورٹ چلے جاؤ، تم دونوں نے تو میری نہ سننے کا خود سے عہد کرلیا ہے، کچھ کہو تو بحث، منہ بنا کر ناراضگی کا اظہار اور دوسرا بن جاتا ہے اس کا وکیل، تم دونوں کیے جاؤ اپنی من مانی، مگر یہ سوچنے کی ضرورت بھی نہ سمجھنا کہ میں کہہ کیوں رہا ہوں۔“ وہ ناراضگی اور غصہ کا اظہار کرتے اٹھ گئے تھے اور وہ فی الوقت ان کے آسانی سے مان جانے پر شکر کرتا کمرے سے گاڑی کی چابی لانے کے لئے بڑھ گیا تھا کہ ان کے ماننے کی امید تھی مگر اتنی جلدی و آسانی سے مان جانے کی توقع نہ تھی کہ وہ ایک دفعہ بات منہ سے نکالنے کے بعد کم ہی اس سے پھرتے تھے۔

☆☆☆

”گڈ مارننگ دادا ابو!“ اس کی فریش سی آواز پر وہ سب سے زیادہ چونک کر متوجہ ہوا تھا کہ وہ دونوں اس کے لہجے سے آشنا تھے اور وہ آشنائی سے پہلے ہی اس کا اسیر ہوگیا تھا کہ سامنے کھڑا شیشے سا پیکر، شہابی رنگت والے چہرے پر تیکھے نین نقش کچھ بھی نظر انداز کرنے والا نہ تھا اور وہ تو تھا ہی حسن پرست، اس کی نگاہ کا اٹھنا، اٹھ کر ٹھہرنا، اس نے شدت سے محسوس کیا تھا اور اسی قدر ناگواری سی محسوس کی تھی، مگر کچھ کہہ نہیں سکا تھا کہ میثم آفریدی ان دونوں کے تعارف کا فریضہ انجام دینے لگے تھے۔

”نائس ٹو میٹ یو منی؟“ اس نے شائستگی سے کہہ کر ہاتھ مصافحہ کے لئے بڑھایا تھا، وہ جھجک کر ایک قدم پیچھے ہوگئی تھی۔

”منی! جا کر ناشتہ کا انتظام کرو۔“ انہوں نے گڑبڑائی سی کھڑی پوتی سے اپنے مخصوص سخت لہجے میں کہا تھا اور اس نے وہاں سے جانے میں لمحہ بھی نہیں لگایا تھا تب وہ نواسے سے بولے تھے۔

”یہ پاکستان ہے امریکہ نہیں ہے۔“ ان کے انداز میں سختی و ناگواری تھی وہ شرمندہ ہوگیا تھا اور سوری بھی کر ڈالی تھی، ناشتہ بہت خاموشی سے کیا گیا تھا، مگر اس کی نگاہ وقتاً فوقتاً بے اختیار سی سامنے بیٹھی سنجیدگی سے ناشتہ کرتی منی پر اٹھ رہی تھی اور خریم یکدم ہی اشتعال کی لپیٹ میں آ کر کرسی کھسکا کر اٹھ گیا تھا۔

”کیا ہوا ہے؟ ناشتہ تو پورا کرو۔“ انہوں نے پوتے کو ناگواری سے دیکھا تھا۔

”میں کھا چکا ہوں، منی چائے مجھے کمرے میں دے دینا۔“ وہ کہہ کر ٹھہرا نہیں تھا اور وہ ہاتھ میں پکڑا نوالہ پلیٹ میں رکھتی اٹھ گئی تھی۔

☆☆☆

”تھینکس خریم۔“ وہ چائے کا مگ اس کو پکڑاتی اس کی مشکور ہوئی تھی۔

”اٹس او کے؟ اور تم ذرا سنبھل کے رہنا کہ فرضام یہاں نیا ہے، ہم اس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے، سمجھ رہی ہو نا میری بات۔“ وہ اس کی غیر متوقع بات پر حیران تھی مگر بچی نہ تھی کہ سمجھ نہ سکتی ہو اس لئے اثبات میں گردن ہلا گئی تھی، مگر اس کے سمجھا دینے اور اس کے سمجھ لینے سے کیا ہو سکتا تھا کہ وہ تو جیسے اس کے تعاقب میں رہتا تھا جہاں وہ اپنے کمرے سے نکلی وہیں وہ آن دھمکا اور اسے بھی مارے باندھے اسے کمپنی دینی پڑتی تھی اس لئے اس نے کمرے سے وقت نکلنا کم کر دیا مگر وہ جہاں اسے دیکھتا آ جاتا بات کرتا اتنی نرمی اور شائستگی سے تھا کہ وہ اپنی ناگواری بھی ظاہر نہیں کر سکتی تھی۔

☆☆☆

”آپ کو کچھ چاہیے تھا؟“ اس کو پاکستان آئے تقریباً بیس دن ہو گئے تھے اور وہ اس سے زچ ہو چکی تھی کہ اس کی نگاہوں کی چمک اسے ڈسٹرب کر دیتی تھی، اس وقت بھی اس نے خود کو لاپرواہ ظاہر کرنا چاہا تھا مگر اس کی نگاہیں خود پہ جمی محسوس کرکے وہ جھنجھلا کر پوچھ بیٹھی تھی۔

”نہیں، بور ہو رہا تھا تو سوچا، تم سے بات کرلوں، تمہاری کوئی دوست نہیں ہے کیا کہ میں نے تمہیں کبھی کہیں جاتے نہیں دیکھا، نہ ہی فون پر گپ شپ کرتے پایا۔“ وہ بے تکلفی سے ماربل کے سلیب پر چڑھ کر بیٹھ گیا تھا۔

”فرینڈز ہیں مگر اسکول کالج کی حد تک کہ دادا ابو کو کہیں آنا جانا پسند نہیں ہے۔“ وہ بریانی کو دم دیتے ہوئے مصروف سے انداز میں بولی تھی جبکہ اس کی نگاہ اس کے تراشیدہ بدن اور خمدار زلفوں سے الجھنے لگی تھی۔

”تمہارے بال بہت حسین ہیں منی۔“ اس کے ہاتھ میں کسٹرڈ کا پیالہ لرز کر رہ گیا تھا اس نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا وہ بے باکی سے مسکرایا تو اس کی نگاہ جھک گئی تھی اور پیشانی سرد موسم میں بھی عرق آلود ہوگئی تھی۔

”مجھے لڑکیوں کے لمبے بال بہت اچھے لگتے ہیں۔“ وہ یکدم ہی اس کے سامنے آ گیا تھا وہ ناگواری سے اسے دیکھتی دو قدم پیچھے ہوئی تھی اور اس نے مڑ کر پیالہ سلیب پر رکھا تھا ارادہ پلٹ کر کچن سے نکل جانے کا تھا مگر اس نے اس کی ناگن سی چوٹی پکڑ کر یوں کھینچا تھا کہ وہ درد سے بلبلاتی اس کے وجود سے آ لگی تھی۔

”تم بہت حسین ہو منی میں پہلی ہی نظر میں دل ہار بیٹھا تھا۔“ وہ اس کی کمر کے گرد حصار کھینچتے ہوئے وارفتگی سے بولا تھا۔

”یہ کیا بدتمیزی ہے چھوڑیے مجھے۔“ وہ اس کی گرفت میں مچلی تھی۔

”منی! کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟“ اس نے شانوں سے تھام کر اس کا رخ اپنی طرف کیا تھا کہ اب تک اس کی پشت فرضام کے سینے سے لگی تھی۔

”شٹ اپ۔“ وہ چلا کر اس کے حصار سے نکلی تھی اور میثم آفریدی کو دروازے میں ایستادہ دیکھ کر بے اختیار ان کی طرف لپک کر ان کے سینے سے جا لگی تھی، انہوں نے غصے سے کانپتے ہوئے اسے دیکھا، وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی اور وہ ان کی قہر بھری نظروں کے مطالب و مفاہم پر غور کیے بنا، جو کچھ دیر پہلے اس سے کہہ گیا تھا ان سے بھی بلا جھجک کہہ ڈالا۔

”گرینڈ پا میں منی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ اس نے دادا کے سینے سے سر اٹھایا وہاں

سے دوڑ لگا دی، لاؤنج میں کھڑا خریم حیران سا اسے پکا تا رہ گیا تھا مگر وہ ٹھہری نہیں اور وہ کچن کی طرف آ گیا کہ میثم آفریدی اسے دور سے ہی دہلیز پر کھڑے نظر آ گئے تھے۔

''اپنی چاہت اپنے تک محدود رکھو، کیونکہ منیٰ بچپن ہی سے خریم کے ساتھ منسوب ہے۔'' وہ گرج کر بولے تھے وہ حیران سا کھڑا تھا اور اس کے چہرے کے زاویے بگڑ گئے تھے۔

''منگیتر ہی تو ہے، بیوی تو نہیں جو مجھ سے شادی نہیں ہو سکتی، مجھے منیٰ سے محبت ہو گئی ہے۔'' وہ حیران کھڑے خریم کو گھور کر سختی سے بولا تھا۔

''شٹ اپ، تم یہاں مہمان ہو، بہتر ہو گا کہ چند ماہ یہاں رہ کر لوٹ جاؤ، ہماری زندگی کو ڈسٹرب نہ کرو۔'' وہ اسے گھورتے سختی سے بہت کچھ باور کرواتے وہاں سے نکل گئے تھے۔

''میں منیٰ سے محبت کرنے لگا ہوں، تم میری محبت کی راہ میں نہ آنا ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔'' وہ خریم کو دھمکاتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا نکلتا چلا گیا۔

☆☆☆

''پلیز منیٰ، انکار نہ کرو، میں تمہارے بغیر مر جاؤں گا۔'' وہ ایک ہی گھر میں کب تک اس کے سامنے سے محفوظ رہ سکتی تھی، اٹھارہ گھنٹوں بعد وہ پھر سابقہ سوال کے ساتھ اس کے سامنے تھا اس نے سرخ آنکھوں سے اس کی التجا بھری لو دیتی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

''آپ فضول میں مجھے پریشان نہ کریں کہ آپ نے مجھے اب پریشان کیا تو میں دادا ابو سے آپ کی شکایت کر دوں گی۔'' اسے اس کی آنکھوں میں جذبے تو دکھائی دیئے تھے مگر جذبوں میں سچائی محسوس نہ ہوئی تھی، اس لئے پہلے سے زیادہ سختی و ناگواری سے بولی تھی۔

''میں خود چاہتا ہوں تم گرینڈ پا سے کہو، ہماری شادی کی بات کرو، یقین کرو میں تم سے بہت محبت کرنے لگا ہوں، تمہارے بنا رہ نہیں پاؤں گا اور گرینڈ پا تمہاری شادی زبردستی خریم سے کر دیں گے۔'' وہ پہلے سے زیادہ ملتجیانہ لہجے میں بولا تھا مگر وہ اس کے انکشاف پر اسے بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔

''میں جانتا تھا کہ تمہیں خبر تک نہ ہو گی جبکہ گرینڈ پا کے کہنے کے مطابق تم خریم کی بچپن کی منگیتر ہو، مگر تمہیں بتانا ضروری نہیں سمجھا کہ تم پر تو صرف فیصلے لاگو کیے جاتے ہیں۔'' اس نے مختصر دنوں میں ہی ہر چیز کا صحیح سے جائزہ لیا تھا ان کی سختی بھی محسوس کی تھی اور اس کا چڑنا بھی، اس لئے اب کے اس نے اس سے اس کے مزاج کے مطابق بات کی تھی۔

''جب ان کا دل کرے گا وہ تمہیں زبردستی تمہاری مرضی جانے بغیر خریم کی دلہن بنا دیں گے اور ایسا ہوا تو میں جیتے جی مر جاؤں گا کہ مجھے تو لگتا ہے کہ میں پاکستان آیا ہی صرف تمہارے لئے ہوں، تمہاری محبت میرے نصیب میں لکھی جا چکی تھی اور وہی نصیب مجھے پاکستان تم تک لے آیا۔'' وہ لہجے میں محبت کا جہان آباد کیے اس کی آنکھوں میں جھانکتا کہہ رہا تھا۔

''مجھ سے میری محبت نہ چھینو، یقین کرو میری محبت کا منیٰ اور مجھ سے شادی کر لو کہ اب تمہیں اپنا کر ساتھ لئے بنا لوٹا تو میں زندہ لاش بن کر لوٹوں گا کہ میرا دل تو تمہاری دراز زلفوں میں اٹک گیا ہے، تمہاری ایک جھلک پر قربان ہو گیا ہے اب یہ تم پر منحصر ہے کہ تم مجھے محبت کے تختہ دار پر لٹکا کر سولی چڑھا دو، یا میری محبت کو اپنا کر مجھے مرنے سے بچا لو۔'' وہ حیرت سے اس کی آنکھوں سے آنسو گرتے دیکھ رہی تھی اس کا دل فرضام کے لئے موم بن کر پگھلنے لگا تھا کہ اس

نے اتنی والہانہ محبت کا اظہار پہلی دفعہ کسی نے کیا تھا، اسے اپنا آپ ہوا میں اڑتا محسوس ہو رہا تھا۔

''میرے سارے فیصلے دادا ابو کرتے ہیں، آپ کو اپنا مقدمہ ان کی عدالت میں لڑ کر ہی جیتنا ہو گا۔'' نہ جانے اس نے کیسا طلسم پھونکا تھا کہ وہ نرمی سے کہتی نکلتی چلی گئی تھی اور آنسو پور پر چن کر پھونک سے اڑاتا دلکشی سے مسکرا دیا تھا کہ اسے اپنی منزل بہت قریب نظر آ رہی تھی۔

☆☆☆

''منیٰ کا اب دوبارہ نام بھی اپنی زبان پر نہ لانا۔'' اس نے اپنے ذہن و دل کی بات کہنا شروع ہی کی تھی کہ وہ غصہ سے بھڑک کر بولے تھے۔

''آخر کیوں؟ اگر میں منیٰ سے شادی کرنا چاہتا ہوں تو اس میں برائی ہی کیا ہے؟'' وہ ناگواری سے بولا تھا۔

''برائی ہے کیونکہ وہ خریم کی منگیتر ہے اور جب میں ایک دفعہ منع کر چکا تو بس بات ختم، بار بار ذکر کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟'' وہ اسے نہایت ناپسندیدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

''معنی کیوں نہیں رکھتا گرینڈ پا مجھے منیٰ سے محبت ہو گئی ہے تو ذکر کیسے نہ کروں؟'' وہ ان کے غصہ و ناگواری کو کسی خاطر میں نہ لایا تھا۔

''او کے کرو ذکر، دو اپنا پرپوزل، مگر ایسا کر لو گے تو بھی کیا حاصل، کہ منیٰ کا سرپرست ہونے کے ناطے میں نے ہی اس کی زندگی کا فیصلہ کرنا ہے اور میں فیصلہ کر چکا ہوں، منیٰ کی شادی خریم سے ہو گی؟'' وہ اب کے اپنے جاہ و جلال کے ساتھ گرجے تھے اور وہ ان کے کمرے کے دروازے پر ساکت رہ گیا تھا۔

''یہ فیصلہ آپ اکیلے کیسے کر سکتے ہیں، زندگی منیٰ کی ہے اس کی مرضی تو پوچھ لیں کہ وہ کس کے ساتھ گزارنا چاہتی ہے۔'' وہ ضبط کرتے کرتے بھی بدلحاظی سے بولا تھا۔

''یہ میں جاننا ضروری نہیں سمجھتا کہ منیٰ کے لئے اول و آخر فیصلہ میں نے ہی کرنا ہے اور جب مجھے اس کے اقرار و انکار کی پرواہ نہیں تو تم کس گنتی میں ہو؟'' وہ خشونت سے بولے تھے۔

''آپ زیادتی کر رہے ہیں، آپ کو میرے بارے میں ایک دفعہ تو منیٰ کی رائے پوچھنی چاہیے اور مجھ میں کیا برائی ہے جو آپ اتنی سختی سے انکار کر دیا ہے، میں خریم سے کسی طرح کم نہیں ہوں۔'' اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیسے انہیں قائل کرے۔

''میں نے ایسا کچھ کہا بھی نہیں، بات صرف اتنی ہے کہ منیٰ کی زندگی کا فیصلہ ہو چکا ہے، اس کی شادی خریم سے ہو گی، تم چند ماہ کے لئے پاکستان آئے ہو، یہاں رہو اور واپس چلے جاؤ، میرے لئے مسائل کھڑے نہ کرو، میں جانتا ہوں تم وقتی اٹریکشن کو محبت کا نام دے رہے ہو۔'' اسے بے بس پا کر وہ دھیمے پڑ گئے تھے، جبھی نرمی سے سمجھانے والے انداز میں بولے تھے۔

''آپ میرے جذبات کی توہین کر رہے ہیں۔'' اس نے کسی قدر ناگواری سے کہا تھا۔

''حقیقت بیان کی ہے برخوردار، کہ تم جس ملک سے آئے ہو وہاں یہ سب عام ہو گا مگر یہ پاکستان ہے، ہم اصولوں اور بات کے پکے ہیں، جو فیصلہ ہو گیا سو ہو گیا، اس لئے حقیقت تسلیم کر لو۔'' وہ اس کے سامنے سے ہٹے اور بیڈ پر جا کر بیٹھ گئے تھے اور اسے نہ چار کمرے سے جانا پڑا تھا اور وہ یہاں ناکام ہونے کے بعد کچھ اور سوچنے لگا تھا کہ اگر انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا تو وہ بھی تو بہت کچھ طے کر کے ہی اتنی دور سے یہاں آیا تھا۔

☆☆☆

”میں یہاں رہنے کے ارادے سے آیا تھا کہ ڈیڈ پاکستان شفٹ ہونا چاہتے ہیں، مگر میں یہاں اب نہیں رہ سکتا کہ میں تمہیں کسی اور کے ساتھ نہیں دیکھ سکتا، اسی لئے اپنا ارادہ بدل کر واپس جا رہا ہوں، کبھی نہ آنے کے لئے۔“ وہ لان میں پودوں کو پانی دے رہی تھی، آہٹ پر مڑ کر دیکھا تھا اور اسے سفری بیگ کے ساتھ کھڑے، دیکھ کر وہ اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی تھی تب اس نے دلگرفتگی سے لفظ لفظ پر زور دے کر کہا تھا۔

”کاش کہ میں یہاں نہ آتا، یا تم سے محبت نہ ہوتی۔“ وہ اب اس کی نم آنکھوں کو متحیر سی دیکھ رہی تھی۔

”ہو سکے تو زندگی میں کبھی فرصت ملے، یا ذہن و دل اجازت دیں تو ایک لمحہ کے لئے ہی مجھے سوچ لینا کہ تمہاری ایک لمحہ کی سوچ کیسے میرے دل میں اترے گی یہ میں تمہیں کبھی سمجھا نہ سکوں گا کہ میرے دل میں تو تمہارا مجھے دیکھنا اور غور سے سننا بھی اتر گیا ہے اور میرے جینے کے لئے تو یہ بھی کافی ہے کہ کسی لمحہ تم نے مجھے غور سے دیکھا تھا، توجہ سے سنا تھا۔“ اس نے رخسار تک آئے آنسو ہاتھ کی پشت سے رگڑ ڈالے تھے۔

”اپنا آپ تمہارے پاس چھوڑ کر اجازت چاہتا ہوں، میری دعا ہے تم ہمیشہ خوش رہو، فی امان اللہ۔“ اس نے اب کے مسکرا کر کہا تھا اور متحیر سی ساکن کھڑی منی پر الوداعی نگاہ ڈالتا آگے بڑھنے لگا تھا اور جیسے اس کا سکتہ بھی ٹوٹا تھا۔

”فرضام! آپ پلیز نہ جائیں، میں دادا ابو سے بات کروں گی، انہیں شادی کے لئے منا لوں گی۔“ اس نے اسے پکارا تھا اور اس کے پلٹتے ہی کسی طاقت کے زیر اثر بولتی چلی گئی تھیں۔

”وہ نہیں مانیں گے، شاید ہمارے پیار کے نصیب میں وصل ہی نہیں ہے۔“ وہ اس کو دیکھ یاسیت سے اب کے ”میں“ کی جگہ ”ہم“ کا صیغہ لگا کر بولا تھا۔

”میں منا لوں گی۔“ وہ نم پلکوں سے پریقین لہجے میں بولی تھی۔

”نہیں منی گرینڈ پا نے تمہارے لئے اچھا ہی فیصلہ کیا ہو گا کہ وہ تم سے بہت محبت کرتے ہیں تمہارے لئے غلط فیصلہ نہیں کر سکتے، اس لئے ان سے بات کرنے، منانے کی ضرورت نہیں کہ میرے لئے یہی کافی ہے کہ محبت کے آسمان پر میں چاند بن کر اکیلا نہیں رہا اس کی چاندنی اس کے ہر سو پھیلی ہے، تمہیں بھی مجھ سے محبت ہے، میرے زندہ رہنے کے لئے تو یہ بھی کافی ہے۔“ وہ اس کی ساحرانہ بھیگی آنکھوں میں دیکھتا جذبوں سے چور لہجے میں بولا تھا۔

”محبت کی مجھے خبر نہیں فرضام، مگر لگتا ہے کہ آپ یوں اداس سے چلے گئے تو اداسی میرے گرد حصار کھینچ دے گی، میں صرف ایک بار دادا ابو سے بات کر کے دیکھنا چاہتی ہوں تاکہ زندگی کے کسی لمحہ میں مجھ پر منکشف ہو کر مجھے آپ سے محبت ہو گئی تھی تو مجھے احساس زیاں نہ ستائے کہ میں نے آپ کو پانے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔“ وہ سچائی سے بولی تھی کہ اسے اس سے محبت نہ ہوئی تھی مگر اس کے جذبے اس کے دل پر اثر کرنے لگے تھے اسی لئے وہ قسمت آزما لینا چاہتی تھی۔

”اور زندگی کے کسی لمحے تم پر یہ منکشف ہو گیا کہ تمہیں مجھ سے محبت ہی نہ تھی تب کیا کرو گی؟“ وہ اس کے صبیح چہرے کو گہری نگاہوں سے دیکھتا سوال داغ گیا تھا۔

”میری زندگی میں کوئی نہیں ہے، جو اتنا

آپ نے کیا وہ کبھی کسی نے نہیں کیا، میں نہیں جانتی کہ محبت کیا ہوتی ہے؟ اور آپ کی محبت میں کتنی سچائی ہے، لیکن میرا دل مجھ سے کہتا ہے کہ میں آپ کو جانے نہ دوں بس اس لئے کہا پلیز نہ جائیں۔“ وہ اس کی نظروں سے کنفیوژ ہوتی حیا آمیز لہجے میں بولی تھی، خریم کچھ فاصلے پر ہی تھم گیا تھا وہ اسے بچپن سے جانتا تھا، اس نے اس کے کتنے ہی روپ دیکھے تھے مگر آج اس کے سامنے ایک نئی ہی منی کھڑی تھی اور اس کا یہ نیا پن اس کو بے چین کر گیا تھا کہ وہ واضح طور پر اس کی آنکھوں میں فرضام کا عکس محبت بن کر لہراتے دیکھ رہا تھا اور یہ دیکھنا اسے تڑپا کر رکھ گیا تھا اور اس کے دل سے آہ نکلی تھی جو اس کے سینے میں ہی اس کی محبت کی طرح دبی رہ گئی تھی، وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ اس میں کیا کمی تھی کہ اس کے سچے جذبے اتنا قریب رہنے کے بعد بھی اس پر اثر انداز نہ ہوئے تھے اور ایسا کیا تھا اس کے سامنے کھڑے شخص میں کہ محض پچیس دنوں میں ہی وہ اس کی آنکھوں میں محبت بن کر سما گیا تھا؟ اس کے جذبے بلکنے لگے تھے، محبت بین کر رہی تھی مگر وہ لب بھینچے، اسے سن رہا تھا جو اسے اپنے پرایا ہونے کا احساس سونپ رہی تھی۔

”میں آپ سے محبت نہیں کرتی، آپ تو کرتے ہیں ناں، میں اپنے لئے نہیں آپ کے لئے آپ کی بن جاؤں گی۔“ وہ بھیگی پلکوں سے مسکائی تھی، فرضام کے دل میں اس کی مسکراہٹ اتر گئی تھی، اب وہ اسے متحیر سا دیکھ رہا تھا اور اسے یکدم شرمندگی سی ہوئی تھی کہ وہ لڑکی کتنی سچی تھی ذہن و دل کی بات سچائی سے کہہ رہی تھی اور وہ کیا کر رہا تھا، اسے دھوکا دے رہا تھا، اس نے نگاہ چرا لی تھی۔

☆☆☆

”دادا ابو! بات آپ کے فیصلہ سے رو گردانی کرنے کی نہیں ہے، منی مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی، میں بھی اس سے شادی نہیں کرنا چاہتا تو آپ کو ہی اپنا فیصلہ بدلنا پڑے گا۔“ وہ اس کے انکار پر غصہ سے بے قابو ہو رہے تھے اس نے بڑے ضبط سے کام لے کر نہایت آہستگی سے کہا تھا۔

”تم جانتے ہو نہ تم دونوں کو میرے فیصلہ کو ماننے میں کوئی مسئلہ ہے تو بس اپنا انتظام کر لو۔“ وہ دونوں ہی ان کے اتنے کڑے فیصلہ پر انہیں تڑپ کر دیکھ رہے تھے۔

”میرے فیصلہ اور خواہش کے مطابق منی کی شادی صرف تم سے ہو گی، منی کو اعتراض ہے تو میں اس کی شادی اس سے کر دوں گا جس سے یہ کرنا چاہتی ہے لیکن......“ وہ ان دونوں کو باری باری دیکھتے تھمے تھے اور ان کی لیکن کے پیچھے چھپے طوفان کی آہٹ ان دونوں کو ہی مضطرب کر گئی تھی۔

”اس کے بعد اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہو گا۔“ وہ سنگدلی کی انتہا کر گئے تھے وہ دونوں ان کو بے یقینی سے دیکھ رہے تھے۔

”دادا ابو یہ صحیح ہے کہ میں خریم سے شادی نہیں کرنا چاہتی کہ میں نے ان کے بارے میں ایسے کچھ نہیں سوچا تھا۔“ وہ نم لہجے میں اپنے دل کی بات کہہ رہی تھی۔

”فرضام سے شادی پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن میں آپ کی مرضی کے خلاف جا کر شادی نہیں کرنا چاہتی، کہ میرا تو ہر رشتہ آپ ہیں میں آپ سے تعلق توڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی، اس لئے آپ جو چاہے میرے لئے فیصلہ کر دیں، مجھے اعتراض بھی ہوا تو زندگی کے ہر معاملے کی طرح یہاں بھی اف نہ کروں گی۔“ اپنے آنسو

گرتی آگے بڑھنے لگی تھی کہ خریم نے اس کی کلائی جکڑلی تھی۔

''تم سر جھکانے کو راضی ہو گی، میں نہیں، مجھے اعتراض ہے اور میں کسی کے لئے بھی یہ شادی نہیں کروں گا، چاہے کوئی مجھے اپنی زندگی سے ہی کیوں نہ بے دخل کر دے۔'' وہ دادا کو ناراضگی سے دیکھتا، درشتگی سے کہتا اس کی کلائی آزاد کر کے کمرے سے ہی نکلتا چلا گیا تھا۔

''خریم تم سے محبت کرتا ہے، تمہاری محبت میں قربانی دے رہا ہے۔'' وہ جو ساکت سی کھڑی تھی دادا کی آواز پر چونکی اور اس کی حیرت کئی گنا بڑھ گئی۔

''جبکہ فرضام تمہارے ساتھ سچا نہیں، وہ جس ماحول میں پلا بڑھا ہے تم وہاں کے ماحول میں ایڈجسٹ نہیں کر سکو گی اس لئے سوچ کر بہت سمجھ کر فیصلہ کرو۔'' وہ پوتے کی خاطر اپنے خول سے کچھ باہر نکل آئے تھے کہ انہیں خریم بہت عزیز تھا اس میں ان کے مرحوم بیٹے کی بہت شباہت تھی، وہ اس کے جذبوں سے واقف تھے، اسے دکھی نہیں دیکھ سکتے تھے اس لئے وہ پوتی کی آنکھوں میں جذبے دیکھ بھی نظر چرا گئے تھے کہ ان کا شعور ان سے کہتا تھا کہ فرضام اس کے ساتھ مخلص نہیں، وہ ایسا کیوں سوچتے تھے، انہیں ایسا کیوں لگتا تھا، وہ خود نہیں جانتے تھے مگر ایسا تھا ضرور، اسی لئے آج اظہار بھی کر ڈالا تھا۔

''میرے ساتھ کون مخلص ہے کون نہیں، میں نہیں جانتی نہ ہی یہ سمجھ پا رہی ہوں مگر میں آپ سے یہ کہوں گی کہ میرا ذہن و دل سچائی جاننے کے بعد بھی خریم کی جانب نہیں جھک رہا اب آپ جو فیصلہ لیں۔'' وہ ان کو پریشان کرتی وہاں ٹھہری نہ تھی اور اس کے جاتے ہی وہ مضطرب سے بستر پر بیٹھ گئے تھے۔

☆☆☆

''ڈیڈ! چڑیا تو قید میں آ گئی ہے لیکن اس کے سرپرست اعلیٰ، میرے گرینڈ پا دلن بنے ہوئے ہیں، بٹ یو ڈونٹ وری، ہو گا وہی جو ہم چاہتے ہیں۔'' وہ دلکشی سے ہنسا تھا اور وہ گیسٹ روم کی دہلیز پر گومگو کی سی کیفیت میں جم گئے تھے۔

''اس سب میں منٰی کی دولت تو ہمیں مل جائے گی لیکن میرے دل کا کیا ہو گا جو اس کے معصوم حسن سے متاثر ہونے لگا ہے؟'' وہ باپ سے بہت بے تکلفی سے بولا تھا۔

''دل لگ جائے تو بسا لینا، نہ لگے تو آزاد تو کرنا ہی ہے ناں، کہ یہ مت بھولو کہ یہاں تم بیوی ہی نہیں بیٹا بھی چھوڑ گئے ہو، تمہارا مقصد صرف دولت کا حصول ہے۔'' انہوں نے بیٹے کے بہت کچھ یاد دلایا تھا اور بہت کچھ ساتھ ہی باور بھی کروایا تھا۔

''جی یاد ہے اپنا مقصد، اور اسی کے حصول کے لئے تو میں کتنے عرصے سے جھوٹ بول رہا ہوں اداکاری کر رہا ہوں۔'' اس نے قہقہہ لگایا تھا اور میثم آفریدی وہیں سے پلٹ گئے تھے کہ وہ سوچ بھی ہیں سکتے تھے ان کا داماد اور نواسا ایسے ہوں گے، نہیں وہ کیسے نہیں سوچ سکتے تھے کہ وہ یکدم ماضی میں چلے گئے تھے کہ کیسے محمود آفندی نے ان کی نازوں پلی بیٹی کو اپنا اسیر بنا لیا تھا اور وہ کیسے باپ کے مقابل آن کھڑی ہوئی تھی اور انہوں نے اس کی شادی تو کر دی تھی مگر دل میں گرہ لگ گئی تھی اس لئے وہ پوتی سے نرمی سے پیش نہیں آ سکے تھے کہ لاشعور میں بات چھپی تھی کہ ان کی نرمی کا ان کی بیٹی نے ناجائز فائدہ اٹھایا تھا پوتی بھی ایسا ہی کچھ کرے گی اس لئے وہ اس کے لئے چٹان بن گئے تھے، محمود آفندی کی نیت، لالچ تو شادی کے چند ماہ بعد ہی کھل گیا تھا اس

لئے نائلہ باپ سے نگاہ چراتی انہوں نے جو کچھ دیا وہ لے کر وہاں سے چلی گئی تھی، سامنے یہی بات تھی کہ محمود پاکستان نہیں آنا چاہتا تھا جبکہ نائلہ ایسا نہیں چاہتی تھی اور دو سال پہلے بھی صرف اس لئے آئی تھی کہ اسے کینسر تشخیص ہو گیا تھا وہ مرنے سے پہلے باپ سے ملنا چاہتی تھی اور جب وہ پاکستان آئے تھے انہوں نے تب ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ منٰی کو ہی اپنی بہو بنائیں گے اور اس پر عمل اب کیا تھا جھوٹ بول کر فرضام کو پاکستان بھیجا تھا، بزنس میں کرائسس کا اس لئے کہا تھا کہ نائلہ والی غلطی منٰی نہ دہرائے اور میثم آفریدی سے قطع تعلقی اختیار نہ کرے کہ ان کے پاس نائلہ کی دولت کے توسط سے جما جمایا بزنس اور اس کے دم سے خوشحال زندگی تھی بس ان کی نیت میں فتور و لالچ تھا، نیت بھرتی ہی نہ کہ انہیں لگتا تھا کہ نائلہ باپ سے نہ کٹتی تو انہیں مزید دولت ملتی رہتی تھی، اس لئے بیٹے کو اپنی روش سکھا کر پاکستان بھیج دیا تھا جبکہ حوا کی بیٹی بھی آدم کے بیٹے کے جال میں پھنس گئی تھی، کہ ان کی فطرت کا حصہ کہ وہ محبت پر ایمان لے آتی تھیں اور جس پر ایمان لے آیا جائے اس پر شک کی گنجائش نہیں ہوتی۔

☆☆☆

''شادی کے لئے میری ایک شرط ہے۔'' سب سے زیادہ متحیر نگاہ ان پر خریم نے ڈالی تھی۔

''مجھے آپ کی ہر شرط منظور ہے گرینڈ پا۔'' وہ پرجوش سا کہہ اٹھا تھا اور اس نے کرسی کھسکائی تھی مگر اس کے اٹھنے سے قبل ہی وہ اسے بیٹھے رہنے کی ہدایت کر گئے تھے وہ سرخ چہرے کے ساتھ نگاہ جھکا گئی تھی۔

''میں منٰی کی شادی خریم سے صرف اس لئے کرنا چاہتا تھا تا کہ میری جائیداد تقسیم نہ ہو اور گھر ہی میں رہے۔'' اس نے بہت تڑپ کر وادا کو دیکھا تھا جبکہ خریم کی حیرت بڑھ گئی تھی، جبکہ وہ حیرت سے نہ سمجھ آنے والا انداز میں دیکھ رہا تھا اور انہوں نے چند لمحوں میں اس کی سماعتوں پر کوئی بلاسٹ کر ڈالا تھا۔

''تم سے شادی ہو گی تو ایسا ممکن نہیں ہو گا اس لئے تم اگر منٰی سے شادی کرنا چاہتے ہو تو اچھی طرح سے سوچ سمجھ لو کہ میں ایک پھوٹی کوڑی نہیں دوں گا نہ ہی کوئی جہیز نہ اس گھر میں اور نہ میری تمام جائیداد میں منٰی کا کوئی حصہ اور حق رہے گا۔'' وہ نانا کے اس فیصلہ کو سمجھنے کی کوشش میں تھا، اسے بازی الٹتی محسوس ہوئی تھی اور وہ کم مائیگی کے احساس میں گھری آنسو بہا رہی تھی، انہوں نے اپنے فیصلہ پر اس کے چہرے پر سائے لہراتے دیکھے اور وہ اسی اطمینان سے مزید اسے دیکھتے کہہ اٹھے۔

''فیصلہ تمہیں جلد کرنا ہو گا، کیونکہ کل جمعہ ہے چار کپڑوں میں منٰی کو اپنانے کو تیار ہو گے تو میں کل عصر کے بعد تمہارا منٰی سے نکاح پڑھوا دوں گا ہاں تمہیں اعتراض ہوا تو کل عصر کے بعد منٰی کا نکاح خریم سے ہو گا اور یہی میرا آخری فیصلہ ہے۔'' وہ اس کے لئے سارے در بند کر گئے تھے اور وہ ان تین لوگوں کی نگاہ کے حصار میں تھا اس نے ان دونوں کی تیز نگاہوں کو نظر انداز کیا مگر اس کی بھیگی آس اور دکھ سے لبریز آنکھوں کی التجا وہ نظر انداز نہ کر پایا کہ میثم آفریدی اسے بری طرح پھنسا چکے تھے اور وہ اپنا بھرم رکھنے کو وقتی طور پر لالچ کے حصار کو ٹھوکر مارتا ان کی آنکھوں میں دیکھنے لگا تھا کہ وہ اپنی زبان سے پھر نہیں سکتا تھا وہ جو اپنی برائی کو سینت سینت کر رکھتا تھا کسی فائدے کے بغیر آشکار ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا اس لئے جبراً ایسا فیصلہ کر گیا تھا جو اس نے کبھی نہیں کرنا تھا اور اس کا اقرار ان

کے ہاتھوں کے طوطے اڑا گیا تھا انہیں لگا تھا کہ آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا وہ اپنے بچھائے جال میں پھنس گئے تھے ان کا پریشان ہونا خریم کی نگاہ سے چھپا نہیں رہ سکا تھا۔

''میں منّٰی سے محبت کرتا ہوں، دولت کی ہوس نہیں ہے مجھے، آپ منّٰی کو خالی ہاتھ مجھے سونپ دیں گے تو یہ بھی آپ کا مجھ پر احسان ہو گا۔'' وہ آنسو رگڑتی اٹھی تھی۔

''مجھے ساری زندگی لگا کہ آپ کو مجھ سے محبت نہیں، آپ نے مجھے سہارا اس لئے دیا کہ میں آپ کے بیٹے کے مرنے کے بعد بے سہارا ہو گئی تھی اور آپ کو ڈر تھا کہ آپ کی دولت اِدھر اُدھر ہو جائے گی۔'' وہ ان کے سامنے کھڑی روتے ہوئے کہہ رہی تھی اور وہ یہ دیکھ نہ کہہ سکے کہ کچھ دیر قبل انہوں نے فرضام کا اصلی روپ سامنے لانے کو جھوٹ کہا تھا ورنہ دولت کی چاہ تو انہیں کبھی نہیں رہی تھی اور وہ تو انہیں بہت عزیز تھی نائلہ کے اقدام سرکشی کے سبب وہ خوفزدہ ہو کر اس پر سختی کرتے تھے ورنہ تو وہ اسے خود سے بڑھ کر عزیز تھی کہ وہ ان کے جان سے پیارے مرحوم بیٹے کی آخری نشانی تھی۔

''مگر آپ کو آپ کی دولت مبارک ہو دادا ابو، میں اس گھر سے ایک تنکا بھی نہیں لے جاؤں گی اور آپ نے جواب تک میرے لئے کیا وہ آپ کا احسان ہے مجھ پر جو مرتے دم تک چکا نہیں سکوں گی اس کا مجھے افسوس رہے گا۔'' وہ دوڑتے ہوئے وہاں سے نکلی تھی۔

''دادا ابو بات کیا ہے، آپ کیا چھپا رہے ہیں مجھ سے۔'' فرضام کے جاتے ہی وہ دادا کے قریب آیا تھا کاندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے استفسار کیا تھا اور انہوں نے دلگرفتگی سے اچانک سننے والی بات بتا دی تھی اور اس کے بعد وہ خود ہی سمجھ گیا تھا کہ کچھ دیر پہلے انہوں نے وہ سب کیوں کہا تھا۔

''ایسا ہوتا دادا ابو تو وہ راضی کیوں ہوتا؟'' اس نے سب سمجھ لینے کے بعد الجھ کر کہا تھا۔

''یہی میں سمجھ نہیں پا رہا اور جب شک کا شکار ہوں تو کل نکاح کیسے ہو گا کہ تم نے منّٰی کی بات سنی تھی ناں، وہ کس قدر بدگمان ہے مجھ سے۔'' ان کی آنکھوں میں نمی پھیلی ہوئی تھی۔

''اوہوں، اب اس کا ایک ہی حل ہے کہ ہم فرضام سے کھل کر بات کر لیں کہ صرف منّٰی کی خوشی کے لئے ہم اس شادی کے لئے راضی ہو رہے ہیں اور وہ مخلص نہ ہوا تو وہ کس قدر دکھی ہو گی کہ اس کی حساسیت سے تو آپ واقف ہی ہیں۔'' وہ اپنا دکھ بھلائے اس کے لئے متفکر تھا کہ اس کی خوشی اسے اپنی خوشی سے بڑھ کر تھی۔

''ہاں فرضام اسے بات کرنی پڑے گی، میں ذرا فریش ہو جاؤں، تب تک تم اسے لے کر میرے کمرے میں آ جاؤ۔'' وہ دھیمی چال چلتے وہاں سے نکلتے چلے گئے تھے اور وہ اپنے اندر کے سناٹے سے گھبرا کر گیسٹ روم کی جانب بڑھ گیا تھا کہ اس کی آنکھوں میں اس نے جو عکس دیکھا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ عکس منفی ہو اور اس کی آنکھوں کے سارے سہانے خواب نوچ لے، اس لئے اس کا روم روم دعا کر رہا تھا کہ میثم آفریدی کو غلطی ہوئی ہو، فرضام آفندی، منّٰی محی الدین کے ساتھ سچا، مخلص اور اپنے جذبات میں کھرا ہو۔

☆☆☆

''دیکھو فرضام صرف سچ بولنا اگر تم صرف دولت کی چاہت میں منّٰی سے شادی کرنا چاہتے ہو تو بتا دو کہ اگر ایسا بھی ہے تو تم اس کے ساتھ مخلص ہو بھی کہ نہیں؟'' وہ اپنی سوچ کے طشت از بام ہو جانے پر اندر ہی اندر کھول رہا تھا۔

''یہ سچ ہے کہ میں صرف دولت کے حصول کے لئے پاکستان آیا تھا مگر مجھے منّٰی سے سچ میں محبت ہو گئی ہے اس لئے آپ اسے کچھ نہ دیں اسے صرف میرا بنا دیں۔'' اس نے پینترا بدلا تھا اپنے سچے ہونے کا انہیں یقین بخشا تھا۔

''ایک بار پھر سوچ لو کہ ہم منّٰی کو کچھ نہیں دیں گے نہ آج نہ آئندہ۔'' انہوں نے اسے ٹٹولنا چاہا تھا۔

''مجھے کچھ چاہیے بھی نہیں۔'' وہ اٹل لہجے میں بولا تھا۔

''اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ شادی کے بعد تم کوئی مطالبہ نہیں کرو گے؟'' خریم کی بات پر وہ اسے ناگواری سے دیکھنے لگا تھا۔

''آپ لوگ میری انسلٹ کر رہے ہیں، میں نے ہر بات کا جب اعتراف کر لیا ہے، آپ کو یقین دلا رہا ہوں تو یہ بے یقینی کیا معنی رکھتی ہے؟'' اس کے لہجے میں ناگواری و تلخی تھی۔

''ہم منّٰی کی محبت میں مجبور ہیں۔'' میثم آفریدی ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولے تھے۔

''منّٰی سے محبت ہوتی تو اس کی خوشی کا خیال رکھتے آپ، کہ آپ تو اس کی محبت کو دولت کے ترازو میں تول رہے ہیں۔'' وہ چبا چبا کر بولا تھا۔

''ہم کیا کر رہے ہیں یہ تمہارا مسئلہ نہیں تم گارنٹی دینے کو تیار ہو کہو؟'' میثم آفریدی کو اس کا لب و لہجہ گراں گزرا تھا اس لئے درشتی سے بولے تھے۔

''آپ کو کیسی گارنٹی چاہیے؟'' وہ بھی نرم نہیں پڑا تھا۔

''تمہیں اپنی کچھ پراپرٹی منّٰی کے نام کرنی ہو گی۔'' ان کا مطالبہ اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑا گیا تھا کہ وہ تو مختصر عرصے کے بعد طلاق دینے کا ارادہ رکھتا تھا اور وہ اس کے پیروں میں بیڑیاں ڈال رہے تھے مگر ہر طرح سے فائدہ اس کا ہی تھا ابھی اس نے صرف ان کی مانی تھی کہ اسے یقین تھا کہ آج وہ جتنی مانے گا کل دگنی منوا لے گا اس لئے اس نے حامی بھر لی تھی، وہ دونوں یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ اسے واقعی اس سے محبت ہو گئی ہے وہ منّٰی کے ساتھ مخلص ہے اس لئے اگلے دن بڑی سادگی سے ان کا نکاح ہو گیا تھا، انہوں نے تو رخصتی اس وقت پر اٹھا رکھی تھی جب وہ نکاح نامہ سبمٹ کروا کے اس کے ساتھ جانے کے انتظامات کر لیتا لیکن منّٰی نے کہہ دیا کہ وہ آج ہی رخصتی چاہتی ہے اس لئے فرضام اسے جب تک جانے کے انتظامات نہ ہو جائیں ہوٹل میں خود بھی ٹھہرے اور اسے بھی رکھ لے اور میثم آفریدی اور خریم اسے اپنے فیصلے سے ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکے تھے، میثم آفریدی کو وہ نائلہ کا پرتو لگی تھی جو محمود آفندی کی محبت میں سب کچھ کرنے کو تیار تھی جبکہ وہ ایسا ضد و غصہ میں کر رہی تھی اسی لئے جب انہوں نے اسے اس کے لئے بنائے اور اس کی ماں کے رکھے زیورات اور گھر کے کاغذات دیئے تھے تو وہ لینے سے صاف انکاری ہو گئی تھی اور وہ بازی الٹتے دیکھ کر پیچ و تاب کھا رہا تھا، خریم نے اسے ساری بات بتائی تھی مگر وہ یقین کرنے کو تیار نہ ہوئی تھی۔

''آپ نے کہا تھا دادا ابو کہ فرضام سے شادی کروں گی تو آپ سے رابطہ ختم تو آپ آج فرضام سے شادی ہو گئی، آپ منّٰی محی الدین کو آخری بار دیکھ لیں کہ اب منّٰی فرضام آپ کو کبھی اپنی شکل نہیں دکھائے گی۔'' وہ دونوں ہی تڑپ اٹھے تھے، انہوں نے آگے بڑھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھنا چاہا تھا مگر وہ فاصلہ پر ہو گئی تھی۔

”آپ نے دولت کی بساط بچھا کر ثابت کر دیا کہ میں آپ کے لئے کچھ نہیں، تو آپ دولت کو سینے سے لگا کر رکھیں منی آپ کے سینے کا حصہ کبھی نہیں بنے گی کہ پر شفقت سایہ آپ نے خود میرے سر سے چھین لیا ہے۔“ وہ اب رو رہی تھی ان کو ایک نظر دیکھا اور بھاگتے ہوئے وہاں سے نکلی تو ان کی ہر پکار کو ان سنا کر گئی تھی۔

اور وہ پوتے کے سینے سے لگے روتے چلے گئے تھے، خریم کی حالت بھی عجیب تھی کہ وہ تو دوہرے عذاب سے گزر رہا تھا، محبت کھونے کا غم مناتا، یا باپ جیسے دادا کی ڈھال بنتا، وہ ابھی صرف اندر سے مرا تھا اور جب تک زندہ تھا زندگی کی لاش کو اپنے ہی کاندھوں پر اٹھائے پھرنا تھا کہ زندگی کی لاش کو چار کاندھے میسر نہیں آسکتے تھے۔

☆☆☆

”دادا ابو کے لئے میں اہم نہیں تھی فرضام۔“ وہ اس کے سامنے بیٹھی رو رہی تھی۔

”ان کے لئے دولت اہم ہے انہوں نے مجھے کس قدر بے توقیر کر ڈالا ہے۔“ وہ سسک رہی تھی اور وہ اس کے سامنے اٹھ گیا تھا کہ وہ جانتا تھا کہ وہ غلط نہیں تھے، غلط تو وہ خود تھا اوہ اس کی آزمائش کرتے خود پوتی کی نگاہ سے گر گئے تھے۔

”دادا ابو، اتنے ظالم کیسے ہو سکتے ہیں فرضام؟“ وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

”اور اگر میں یہ کہوں کہ گرینڈ پا غلط نہیں ہیں، انہوں نے صحیح ہی کہا تھا کہ انہوں نے مجھے آزمانے کو جھوٹ بولا تھا۔“ وہ رونا بھول کر بے یقین نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

”ایسے مت دیکھو منی کہ یہ سچ ہے کہ دولت کی چاہ گرینڈ پا کو نہیں مجھے ہے۔“ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہو گئی تھی۔

”میں پاکستان صرف تم سے شادی کرنے کے لئے آیا تھا کہ تم سے شادی کر کے تمہارے حصے کی جائیداد کا حقدار بن جاؤں، اسی لئے میں نے تم پر محبت کا جال پھینکا، تم میری جھوٹی محبت کی چند دنوں میں ہی اسیر ہو گئیں، میں اپنی کامیابی ڈیڈ سے شیئر کر رہا تھا تو گرینڈ پا کے سامنے میری اصلیت آ گئی، میری آزمائش کو انہوں نے میرے گرد جال بچھایا جس میں، میں نے انہیں ہی پھنسا دیا اور سب کچھ میری امیدوں کے مطابق ہوا لیکن آخری وقت میں، سب تم نے بگاڑ دیا اپنے دادا سے بدگمان ہو کر ساری دولت ان کے منہ پر مار آئیں، جبکہ مجھے تم میں نہیں تمہاری دولت میں انٹرسٹ تھا۔“ اس نے الف سے یے تک پوری کہانی سنا ڈالی تھی اور اس کا اعتماد ریزہ ریزہ کر ڈالا تھا اس سے اپنے ہی قدموں پر کھڑا ہونا دشوار ہو گیا تھا۔

”مگر میں زیادہ انتظار نہیں کر سکتا کہ مجھے اگلے ماہ ہی واپس جانا ہے، اس لئے تم اپنے دادا سے خودساختہ ناراضگی و بدگمانی کو ختم کر لو۔“ اس نے نیر بہاتی پتے کی طرح لرزتی منی کو دیکھ اپنے ارادے بتائے تھے، کہ وہ اپنی برائی سینت کر نہیں رکھ سکتا تھا اس لئے سب اپنے منہ سے کہہ ڈالا تھا۔

”نہیں کہ آپ مجھے اور میرے گھر والوں کو بہت دھوکا دے چکے، مگر اب میں آپ کو آپ کے کسی مکروہ فعل میں کامیاب نہ ہونے دوں گی، جس دولت کی چاہ میں آپ نے مجھے دھوکا دیا، وہ دولت آپ کو کبھی نہیں ملے گی۔“ وہ بری طرح چیخی تھی۔

”شٹ اپ، بکواس کی یا میرا کوئی فیصلہ ماننے سے انکار کیا تو تمہارے ساتھ بہت برا

سلوک کروں گا۔“ درشتی سے اسے بہت کچھ باور کروانا چاہا تھا، مگر وہ بھی جیسے اپنے کیے پر ڈٹ گئی تھی، اس کے زور ڈالنے یا مارنے پیٹنے کے باوجود وہ اپنے کہے پر ڈٹی رہی تھی، خریم ہوٹل آیا تھا تو اس نے اس پر فرضام کی حقیقت ظاہر کیے بناء اسے ذلیل کر کے نکال دیا تھا کہ وہ فرضام کے لئے سارے راستے مسدود کر دینا چاہتی تھی، خریم وہاں نہ جانے کی قسم کھا کر واپس لوٹ گیا تھا اور وہ اس کا ہر برا رویہ، سنگدلی، حقارت، بے عزتی بڑے صبر سے جھیل رہی تھی کہ اس کی شادی کی خبر نے جیسے اسے گہرے صدمے سے دوچار کر دیا تھا اور وہ اسی کا غم منا رہی تھی کہ وہ لوٹا تھا تو اسے خبر تک نہ ہوئی تھی مگر اس کی جگہ وہ غصہ دکھاتا، ایک لفظ معذرت کا ادا کیے بغیر اینٹھ کر پڑ گیا تھا اور اس نے روتے بلکتے کمزور لمحے کی زد میں آ کر اپنوں کو آوازیں دے ڈالی تھی کہ ان سے بچھڑ کر وہ کچھ نہیں رہی تھی، مگر جب فرضام کو پتہ چلا تھا تو اس نے خریم کے حوالے سے اس پر رکیک الزامات لگا کر اس کو بہت مارا تھا، ٹھنڈے فرش پر اس کا سر بری طرح ٹکرایا تھا اور بھل بھل بہتا خون اس کے ہاتھ پاؤں پھیلا گیا تھا، وہ اسے ہاسپٹل لے کر دوڑا تھا اور پیچھے سے خریم آ گیا تھا مگر ہوٹل کا روم لاکڈ تھا اور انتظامیہ کو خبر نہ تھی کہ وہ کہاں گئے؟ اس نے پوری رات وہیں ہوٹل کے باہر بینچ پر بیٹھ کر گزاری تھی، صبح آٹھ بجے کے قریب وہ تھکا ہارا اسے ہاسپٹل میں چھوڑ کر لوٹا تھا تو اس کی نظر خریم پر پڑ گئی تھی اور وہ وہیں سے پلٹا تھا، واپس جانے کے لئے سیٹ کنفرم کروائی تھی اور اس کا انتظار کرتے خریم اور ہاسپٹل میں زخمی تڑپتی منی کو پتہ بھی نہیں چلا تھا کہ پردیسی دھوکا دے کر جا چکا ہے، دو دن اس نے ہوٹل کے ان گنت پھیرے لگائے تھے، فرضام کا نمبر ڈائل کرتے کرتے اس کی انگلیاں تھک گئی تھیں اس نے اس کے ڈیڈ کا نمبر اتنی دفعہ ملایا تھا کہ سیل فون ہاتھ میں پکڑے جانے کے بعد وہ ہزار سوچوں میں ڈوب کر بھی وہ نمبر ڈائل کر سکتا تھا اور ان دونوں نے اس کی بے بسی سے حظ اٹھانے کو نمبر آف نہیں کیا تھا اور وہ اسی آس پر کال کیے جا رہا تھا کہ شاید کہ اب ریسیو کر لی جائے، ہوٹل مینجمنٹ نے اپنی ریسورسز کے ذریعے پتہ لگا لیا تھا کہ وہ پاکستان میں نہیں اور وہ جسے سن کر مجسم بن گیا تھا، وہ نڈھال سا ہوٹل سے نکلا تھا کہ اس کا سیل بج اٹھا تھا، اس نے ”فرضام“ کا نمبر دیکھ کر فوراً کال ریسیو کی تھی۔

”ہیلو فرضام! منی کہاں ہے؟“ اس کے لہجے میں عجلت و تڑپ تھی۔

”مجھے کیا معلوم، کہ منی کہاں ہے؟“ اس کا ٹھنڈا لہجہ اس کے پیروں سے زمین کھینچ لے گیا تھا۔

”یہ کیا بکواس ہے فرضام، تمہیں اندازہ بھی ہے کہ ہم منی کے لئے کتنے پریشان ہیں۔“ وہ چیخ پڑا تھا۔

”اندازہ ہے اور اسی لئے تو تمہیں تڑپا رہا تھا ورنہ دو دن قبل ہی جب تمہیں ہوٹل کے باہر بینچ پر اپنا انتظار کرتے دیکھا تھا تفصیل نہ بتا دیتا۔“ وہ ہنسی کے درمیان بولا تھا۔

”کیوں کر رہے ہو تم ایسا؟ اور بتاتے کیوں نہیں کہ منی کہاں ہے؟“ وہ بے بسی کی انتہا پر تھا۔

”میں نے جو کیا، جتنے سچ جھوٹ بولے، دولت کے حصول کے لئے، مگر میری ساری محنت پر منی نے پانی پھیر دیا۔“ وہ چبا چبا کر بولا تھا۔

”دیکھو، تمہیں جتنی دولت چاہیے وہ میں تمہیں دوں گا، بس تم یہ بتاؤ، منی کہاں ہے؟ وہ اس دن بہت رو رہی تھی؟ کیا کہا تھا تم نے اسے

صرف ایک بار میری اس سے بات کروادو۔" وہ جیسے ملتجی ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے پھر تم مجھ سے ایک ڈیل کرلو، تمام جائیداد میں منی کا جو حق ہے وہ میرے نام کردو میں منی کو طلاق دے کر تم لوگوں کے پاس بھیج دوں گا۔" اس نے فوراً ہی کہا تھا۔

"جتنی دولت کہو گے ہم تمہارے نام کر دیں گے، بس تم منی کو ڈائیورس مت دینا، کہ وہ تم سے بہت محبت کرتی ہے۔" وہ تو طلاق کی بات سن کر ہی تڑپ اٹھا تھا۔

"ہاہاہا، منی مجھ سے محبت نہیں کرتی جیسے تم نے اس سے محبت کی، وہ صرف تم سے محبت کرتی ہے۔" وہ ہنس کر بولا تھا اور وہ ساکت رہ گیا تھا۔

"میں پوری پلاننگ کے ساتھ پاکستان آیا تھا اور مگر مجھے تم دونوں کی کیمسٹری دیکھ کر لگا تھا کہ میں کامیاب نہیں ہوسکوں گا، مگر منی تو بہت بے وقوف نکلی سامنے کی بات وحقیقت بھی اسے دکھائی نہ دی اور اس نے سچی محبت کو ٹھکرا کر دھوکے کو اپنا لیا، مجھے اس پر ترس آتا تھا، مگر میں کیا کرتا مجھے اپنی پرواہ تھی، اپنے اسٹیٹس کو بلند کرنا تھا، اس لئے میں ترس کھانے کے باوجود اس کے ساتھ برا کر گیا اور مجھے اس کا افسوس ہے اسی لئے میں اسے چھوڑنا چاہتا ہوں، اب یہ تم لوگ سوچ لو کہ میں ایسا کروں کہ نہیں کہ میں بتا چکا کہ اس کی اہمیت نہیں ہے میری نظر میں، صرف اس کی دولت کی ہے، دولت دو، منی لے لو۔" اس کا خون کھول اٹھا تھا اگر وہ سامنے ہوتا تو شاید وہ اسے زندہ نہ چھوڑتا اسی لئے جب وہ بولا تو اس کا لہجہ ترش اور لفظ سخت تھے جو اس سے برداشت نہ ہوئے وہ اسے ٹوک گیا۔

"یہ مت بھولو خریم، کہ ایک واحد میں ہی ہوں جو بتا سکتا ہوں کہ منی کہاں ہے اور یہ بھی جان لو کہ میں منی کو اپنے ساتھ نہیں لایا وہیں پاکستان چھوڑ آیا ہوں، جس دن مجھے جائیداد کے پیپرز ملیں گے میں تمہیں بتا دوں گا کہ وہ کہاں ہے اور میرا مطالبہ نہ مانا تو تم لوگ منی کی شکل دیکھنے کو بھی ترس جاؤ گے۔" وہ حیران تھا کہ اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ اس کا سگا پھپھی زاد اس قدر گھٹیا اور چالباز ہوگا۔

"دیکھو فرضام، تم مجھے ابھی بتا دو کہ منی کہاں ہے میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تمہارا ہر مطالبہ پورا کر دوں گا، بس یہ بتا دو وہ ابھی کہاں اور کس حال میں ہے؟" وہ لمبا چوڑا مرد فون پر التجا کر رہا تھا وہ ہوٹل کے کاریڈور میں کھڑا تھا وہاں سے گزرتے لوگ اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

"میں تم پر بھروسہ نہیں کر سکتا۔" اس نے بے حسی کی انتہا کر دی تھی۔

"تم صرف ایک بار مجھ پر بھروسہ تو کر دیکھو کہ منی مجھے دولت سے بڑھ کر ہے، میں اس کے لئے جان وار سکتا ہوں، چند کھنکتے سکوں کی اوقات ہی کیا ہے۔" اس کے لہجے کی سچائی اس نے بہت دور ہو کر بھی صاف محسوس کی تھی۔

"لیکن پیپرز تمہارے نام ٹرانسفر کرنے میں ٹائم لگے گا، منی تمہارے ساتھ ہوتی تو کوئی مسئلہ نہیں تھا کہ تم نے کسی بھی سوچ سے دھوکا دے کر اسے اپنایا تھا، نکاح ہوا تھا تم اس کے محرم تھے، اب تم نے اسے کہاں، کس کے پاس چھوڑا ہے یہ سوال ہمیں اذیت میں مبتلا رکھے گا، تمہیں پھپھو کی قسم مجھ پر بھروسہ کرلو، بتا دو منی کہاں ہے؟" وہ اگر اس کے سامنے ہوتا تو پیر پکڑ کر اس سے پوچھ لیتا، مجبور کر دیتا لیکن وہ کس قدر مجبور تھا کہ ملتجی ہو کر، گڑگڑا رہا تھا کہ کسی طور وہ اس کی بات مان لے۔

"ٹھیک ہے میں تم پر بھروسہ کر کے ایڈریس دے دیتا ہوں، دھوکا دینے سے قبل اپنے وعدے کو ہی نہیں اس بات کو بھی یاد کر لینا کہ وہ میری بیوی ہے، تم نے کوئی چالبازی دکھائی تو میں تم سے بڑا چالباز ہوں، منی کو طلاق نہیں دوں گا۔" اس نے گویا اسے دھمکی دی تھی مگر وہ خاموش رہا تھا کہ اس کے ستارے گردش میں تھے۔

☆☆☆

"خریم! اس سے کہو کہ یہ مجھ سے کوئی بات کرے، یوں نہ دیکھے مجھے۔" منی کو وہ ہاسپٹل سے گھر لے آیا تھا اس کے لبوں پر چپ کے تالے تھے، زرد رنگت، چہرے پر پڑے نیل کے نشانات، ماتھے پر بندھی پٹی، ان دونوں کا ہی روم روم اس کو دیکھ کر تڑپ اٹھا تھا، وہ اس کا ہاتھ تھامے اس کو اپنی طرف خالی نظروں سے دیکھتے ہوئے مزید بے سکون ہوتے رو پڑے تھے۔

"آئی ایم سوری، آپ کو ہرٹ کرنے کی سزا ہے یہ دادا ابو، آپ کی نافرمانی کی سزا ہے۔" وہ یکدم ان کے سینے پر سر ٹکائی بلک اٹھی تھی، اس کا رونا تڑپنا اس سے برداشت نہ ہوا تو وہ وہاں سے نکلتا چلا گیا جبکہ وہ اسے چپ کراتے بہلاتے خود رو رہے تھے۔

"نہیں تم تو میری بہت پیاری پوتی ہو، میں نے پہلے تمہیں نائلہ کے کیے کی سزا دی اور میں نے سب کچھ سامنے آجانے کے بعد بھی کیسے اس شخص کو تمہارے لئے منتخب کر لیا، کیسے اس پر بھروسہ کر لیا؟ تمہاری اس حالت کا صرف میں ذمہ دار ہوں، مجھے معاف کر دو منی سوری فار ایوری تھنگ۔" وہ اس کے چہرے پر نرمی سے ہاتھ پھیرتے روتے ہوئے بولے تھے۔

"دادا ابو میں فرضام کو کبھی معاف نہیں کروں گی، انہوں نے مجھے بہت ہرٹ کیا، دھوکا دیا، میں نے ان پر بھروسہ کیا، ان کے لئے آپ کو غلط سمجھا آپ سے بدگمان ہوگئی، انہوں نے مجھے بہت مایوس کیا، آپ کی منی کو بہت مارا، مجھے بہت درد ہو رہا تھا دادا ابو، میں نے آپ کو خریم کو بہت مس کیا، اپنی تکلیف میں آپ کو پکارا مگر آپ نہیں آئے، مجھے بہت درد ہو رہا ہے دادا ابو، پلیز مجھے اپنی پر شفقت آغوش میں چھپا لیں، میرے سارے درد ہمیشہ کی طرح کہیں دور بھگا دیں، پلیز دادا ابو۔" وہ ان کے سینے سے چھوٹی بچوں کی طرح کہتی بلک رہی تھی اور وہ اس پر اپنے پر شفقت بازوؤں کا حصار کھینچتے اسے نرمی سے دلاسہ دینے لگے تھے وہ کافی دیر رونے کے بعد ان کی آغوش میں ہی سر رکھے سو گئی تھی، وہ اس کی بند آنکھوں کو چومتے اپنے آنسو صاف کرنے لگے تھے کہ انہوں نے خود سے عہد کیا تھا کہ اب اس کی آنکھ میں کبھی آنسو نہیں آنے دیں گے، اسے خود سے کبھی بدگمان نہ ہونے دیں گے اور کسی بھی سوچ سے جو اس پر سختی کی تھی اسے بھی نرمی کا قالب عطا کر دیں گے کہ انہیں سمجھ آ گیا تھا کہ بیٹیوں کو اگر ان کی غلطی کی سزا دیتے خود سے دور کیا جائے تو ان کی مثال کٹے پروں کے پرندے کی سی ہو جاتی ہے نہ اڑ سکتی ہیں، نہ اڑان کی خواہش سے دستبردار ہو سکتی ہیں، نائلہ بھی ساری عمر تشنہ رہی تھی کہ اس کے دل سے ملال نہیں گیا تھا کہ اس نے باپ کے مقابل کھڑے ہونے کی جرأت کی تھی اب انہوں نے پوتی کو اس ملال میں گھرنے نہیں دینا تھا کہ وہ ان کے مقابل کھڑی بھی نہ ہوئی تھی کہ اس کے ساتھ جو ہوا وہ اس کی قسمت کا پھیر تھا، جسے ان کی کوئی تدبیر بدل نہیں سکی تھی، مگر وہ ابھی بھی ہمت نہیں ہار سکتے تھے کہ انہوں نے اب کچھ نئی تدبیر کرنی تھی، اس کی زندگی سے فرضام آفریدی کو نکال

پھینکتا تھا اور اس کے دل سے طالب، اس کی محبت میں مبتلا شخص کا اسے ساتھ سوچنا تھا کہ کچھ حق تو ان کے اس کی طرف بھی نکلتے تھے کہ خریم سے انہوں نے بھی وعدہ کیا تھا جو وہ اب پورا کریں گے کہ دیر ہو چکی تھی مگر اتنی بھی نہیں کہ ابھی محبت زندہ تھی، احساس باقی تھا، انہوں نے اس کی زرد پیشانی چومی تھی اور مطمئن سے مسکرا دیئے تھے کہ جانتے تھے کہ خریم صلاح الدین کے ہوتے منی محی الدین کی زندگی میں دکھ زیادہ عرصے نہیں رہ سکتے کہ وہ اپنے نام کی طرح ان دونوں کے لئے ہی تحفہ تھا اور وہ تحفہ وہ اپنی پوتی منی کو سونپ کر اس کا ہر دکھ اس کی زندگی سے نکال پھینکنا چاہتے تھے، وہ پلاننگ کر رہے تھے کہ قدموں کی آواز پر چونکے، دیکھا تو خریم سفری بیگ لئے ان کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔

''میں منی کو اس حال میں نہیں دیکھ سکتا، اس لئے شہر سے باہر جا رہا ہوں۔'' وہ کہہ کر آگے بڑھا تھا۔

''میری خواہش تو وہی ہے کہ منی تمہاری دلہن بنے مگر کیا تمہاری خواہش اور محبت اب بھی زندہ ہے؟'' وہ اس کو بغور دیکھتے سوال کر رہے تھے۔

''جو خواہش محبت سے وابستہ ہوں کبھی دم نہیں توڑتیں اور محبت مر جائے تو وہ محبت نہیں ہوتی۔'' اس نے بیگ ہاتھ سے چھوڑا تھا اور ان کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا تھا۔

''میری تو ہر سانس نے صرف منی کو چاہا، میرے دل کی ہر دھڑکن نے صرف منی پکارا، مگر منی مجھ سے محبت نہ کر سکی، میرے جذبے اس پر اثر انداز نہ ہو سکے اور اس کی آنکھوں میں فرصام کے خواب سج گئے۔'' وہ یکدم اذیت کا شکار ہوا تھا۔

''فرصام کہتا ہے کہ منی مجھ سے محبت کرتی ہے، مگر وہ یہ اپنی جھوٹی دھوکے کے جال میں الجھیں آنکھوں سے دیکھ نہ سکا کہ منی نے صرف اپنی آنکھوں میں اسے بسایا، اس کی محبت خریم صلاح الدین نہیں، فرصام آفندی ہے اور یہ میرے لئے بہت اذیت ناک ہے دادا ابو کے یہ جانتے ہوئے بھی منی کو مجھ سے محبت نہیں، اس کی محبت فرصام ہے، میں اس کی خوشی کے لئے اپنی محبت کے وصل کے لئے، اس کو اپنا لوں گا، اگر منی کو اعتراض نہیں ہوا تو میں اعتراض نہیں کروں گا کہ میں محبت کے آگے کھو چکی ہوں، میری محبت چاہے جیسے مجھے نچائے، میرا دل مگر منی سے محبت کرتے کرتے، اس کی محبت کی آس لگاتے لگاتے درد کا ٹکڑا بن گیا ہے، نہ جانے اب اس دل کے ٹکڑے کو کوئی آسودگی حاصل ہو گی بھی کہ نہیں، کہ آدھا وصل، پورے ہجر سے زیادہ اذیت ناک ہوتا ہے۔'' وہ آنکھ میں آئی نمی پور پر چنتا ایک نظر اس کے خوابیدہ چہرے پر ڈالتا واپس اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا، ان کی آنکھیں پوتے کے درد پر نم ہو گئیں تھیں مگر وہ مطمئن تھے کہ انہیں یقین تھا کہ اس کے سچے جذبات ایک دن ضرور منی پر اس کے دل پر اثر انداز ہوں گے اور اس کا ادھورا وصل، تکمیل پا جائے گا اس کا درد کا ٹکڑا بن جانے والا دل، محبت کا ساز چھیڑ کر درد کے سارے سر بکھیر دے گا، پھر دو دلوں کی تال پر صرف محبت کے ساز ہوں گے، وصل کی دھن پر دل دھڑکیں گے کہ محبت اپنا اثر رکھتی ہے اور اپنا اثر دکھا کر ہی رہتی ہے، محبت کے اثر، اس کے رنگ سے اہل دل نہیں بچتے اس لئے منی کیسے محفوظ رہے گی کہ اس نے تو خریم کی چاہتوں اس کے دل کا اسیر ہو ہی جانا ہے۔

☆☆☆